بسم اللہ الرحمن الرحیم

# رسالہ تہلیلیہ

مصنف

حضور امام ربانی مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ الصمدانی

مترجم

غلام مصطفٰے مجددی ایم اے

# تعارف

حامداً و مصلیاً علیٰ رسولِ اللّٰہ ٥ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے جس کا نام تہلیلیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے بارے میں عظیم حقائق اور جلیل اسرار کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اُن حقائق و اسرار سے مصنف شہیر کے فکری و علمی، رُوحانی و وجدانی کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا تاریخی نام معارف لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (۱۰۱۰ھ) ہے۔ یہ اکبر اعظم کا دور تھا جب دینِ اسلام پر ''دینِ الٰہی'' کے کلہاڑے چل رہے تھے، متعدد عقائد و نظریات کو تبدیل کیا جا رہا تھا جہاں تک کہ اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ کو بھی بدلنے کی سازش کی گئی، محمد رسول اللہ کی جگہ معاذ اللہ اکبر خلیفہ اللہ کے الفاظ کا حکم نافذ کیا گیا، ان حالات میں حضور امام ربانی رضی اللہ عنہ نے فاروقی غیرت و حمیت کا ثبوت دیا اور لوگوں کو کلمہ طیبہ کے فضائل و لطائف، توحیدِ باری کے دلائل، وجودِ باری سے متعلق صوفیہ و فلاسفہ کے افکار و آراء سے آگاہ فرمایا اور آخر میں اپنے اہم موضوع یعنی حضور ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن کو نہایت دلآویز پیرائے میں تحریر کیا۔ نیز قرآن حکیم کے معجزہ نبوت ہونے پر شوائد پیش کیے۔ اس رسالہ کی تحقیق و تحریر کے موقع پر آپ کی عمر مبارک چھتیس سال تھی، جس سے آپ کے علمی رتبہ کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں آپ کا صوفیانہ رنگ خوب نکھرا ہے۔ حضرت زید فاروقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ''یہ رسالہ نسبتِ نقشبندی حاصل ہونے سے پہلے لکھا گیا۔'' کیونکہ اس میں صوفیہ وجود کے احوال و آثار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ بات زبدۃ المقامات میں بھی درج ہے اگر یہ درست ہے تو اس کا سال تصنیف ۱۰۰۸ھ سے پہلے ہونا چاہیے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العلمین و العاقبہ للمتقین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدٍ والہ واصحابہٖ اجمعین یہ رسالہ کلمہ شریفہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہ کی تحقیق میں رقم ہے۔

## تقدیرِ خبر لا کی بحث:

سوال: اگر آپ کہیں کہ خبر لا سے پہلے تقدیر ضروری ہے تو ایسے عبارت لا الٰہ موجود الا اللہ ہوگی۔ جو دوسرے معبود کے ''عدمِ امکان'' کو مفید نہیں۔ اگر عبارت ایسے ہو لا الٰہ ممکن الا اللہ تو یہ ''وجودِ مستثنیٰ'' پر دلیل نہیں لہٰذا یہ دونوں باطل ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ہم صورتِ اول کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ خبر لا کی تقدیر میں مشہور ہے۔ اور اس کے غلط نتیجے کو باطل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے خدا کا موجود ہونا ممکن نہیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں۔ لیکن یہ لازم نہیں کہ کلمہ توحید ہی اس طرح کی ہر بات پر دلالت کرے۔ البتہ اتنا جائز ہے کہ یہ اس پر کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود موجود نہیں، یہی اس کا مقصد ہے۔ اور یہ اس مطلب میں نہایت عمدہ ہے۔

سوال: اگر آپ کہیں بنو تمیم کی زبان کے مطابق لا کو خبر ثابت کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ ابن الحاجب سے منقول ہے۔ وہ اس کو خبر نہیں مانتے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ بات محققین کے نزدیک "غیر معتمد" ہے۔ حتی کہ اندلسی نے کہا "لا ادری من این نقله و لعل مقالته" میں نہیں جانتا کہ یہ کہاں سے لی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اس کا قیاس ہو۔ حق یہ ہے کہ بنو تمیم اس کو اس وقت چھوڑتے ہیں جب یہ کسی سوال کا جواب ہو، اور جب کوئی قرینہ اس پر دلالت کرتا ہو۔ جب کوئی قرینہ نہ ہو تو اس کے خلاف قطعا جائز نہیں، پھر اس صورت میں تو بالکل جائز نہیں ہوسکتا جب اس پر دلیل بھی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

## لفظ اللہ کی تحقیق میں تحیر عقلا کا راز:

السید السند نے الکشاف کے حواشی میں فرمایا جس طرح عقلاء اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں عظمت و جبروت کے انوار کی بدولت حیرت زدہ ہیں اس طرح لفظ اللہ میں حیرت زدہ ہیں۔ گویا اس کی طرف بھی، ان انوار کی کرنیں عکس انداز ہیں کہ مستبصرین کی آنکھیں خیرہ ہیں۔ چنانچہ ان میں اختلاف ہوا کہ لفظ اللہ عبری ہے کہ عربی، اسم ہے کہ صفت، یہ کسی اصل سے مشتق ہے۔ اور غیر مشتق ہے تو کیا ہے علم ہے یا غیر علم۔

☆ کہا گیا ہے کہ اس کی اصل اِلہ ہے۔ ہمزہ محذوف ہے۔ اس کی جگہ الف اور لام آ گئے، اسی لئے قطع کر کے "یَا اللہ" کہا گیا ہے۔ اگر آپ کا موقف ہو کہ کیا وجہ ہے کہ صورت ندا میں ہمزہ قطعی ہوگا اور بصورت دیگر اصلی۔ ہم کہتے ہیں کہ صورتِ ندا میں ہمزہ، الف لام معرفہ کے عوض قطعی ہوگا، اور بصورت دیگر یہ مفہوم اس سے بالکلیہ خارج نہیں ہوتا ہٰذا معنا معرفہ ہوگا اس کو خوب

جائے۔ لفظ اللہ بالحق معبود کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ ''الالٰہ'' اصل میں ہر معبود کو کہا جا سکتا ہے، وہ حق ہو یا باطل، پھر یہ غالب طور پر معبودِ برحق کی لئے بولا جانے لگا۔

☆ اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل اَلْاِلٰہ ہے۔ ہمزہ اپنی ثقالت کی وجہ سے محذوف ہوا اور لام شامل ہوا۔

☆ اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل اَلْاِلٰھَۃُ والوھیہ و اُلُوھِیۃ ہے۔ یعنی عَبَدَ بمعنی تعبَّدَ اور تَاَلَّہَ و اَسْتَالَہَ بھی اسی سے مشتق ہیں (یعنی اس نے عبادت کی)

☆ اور کہا گیا ہے، اَلِہَ سے ہے، جب حیران رہ جائے۔ گویا عقول اس کی معرفت میں حیران ہیں۔ یا اَلِھتُ اِلی فلان سے ہے، (اس کا مطلب ہے) اس کی جانب سے سکون نصیب ہوا، تو بے شک ارواح اس کی معرفت سے تسکین لیتی ہیں۔

☆ اور کہا گیا ہے کہ وہ اس کی ذاتِ مخصوصہ کے لئے علم ہے، گویا جامد ہے اس کے لئے کوئی اشتقاق نہیں، کہ اس کی توصیف کی جاتی ہے، اس کے ساتھ تعریف نہیں۔ تو یہ ضروری ہوا کہ اس کا کوئی اسم گرامی ہو جو اُس کی صفاتِ کاملہ کی پہچان ہو کہ اس کے علاوہ کسی اور لفظ کا اطلاق اس پر صحیح نہ ہو۔ اگر اسے صفت مانا جائے تو قولِ لا الہ الا اللّٰہ توحید نہیں جیسا کہ لا اِلہ الا الرحمٰن نہیں ہے کہ اس سے شرک نہیں رکتا۔

یہ بات محلِ نظر ہے کہ دلائل مذکور ثبوتِ مطلب پر دلالت نہیں کرتے کیونکہ دلیلِ اوّل ''نفی وصفیت'' پر دلالت کرتی ہے نہ کہ ثبوتِ علمیہ پر، جبکہ اجناس کے اسما اور

''لفظ الشیٔ'' ایک طرح ہیں۔ اور دلیلِ ثانی ثبوتِ علیہ پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ اور دلیلِ ثالث اس لیے درست نہیں کہ ممکن ہے یہ ''اوصاف غالبہ'' میں سے ہو، دوسرے کے لئے مستعمل نہ ہو، اور شرکتِ غیر کو مانع ہو لیکن اس کے باوجود علم بھی نہ ہو۔ اور لا الہ الا الرحمٰن توحید کے لئے کیوں مفید نہیں، لفظ رحمٰن کا اطلاق بھی غیرِ خدا پر نہیں ہوتا۔ اور خدا کے سوا کسی کی اس کے ساتھ تعریف نہیں کی جاتی۔ یہ علَم کی مانند ہے جو ''شرک'' کو روکتا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو لہٰذا اس پر غور کرنا چاہیے۔

قاضی بیضاوی نے اس کی ذاتِ مخصوصہ کے لئے علَم سے روکا ہے کہ اس کی ذات ایسی ہے جو ہر اعتبار سے حقیقی اور اِنسان کی عقل سے بالا ہے، لہٰذا ایک لفظ کا اس پر دلالت کرنا ناممکن ہے۔ یہ بھی محلِ نظر ہے کیونکہ محض یہ وجہ قابلِ قبول نہیں کہ اس لفظ ''اللہ'' کو مقرر کرنے والا وہ خود سبحانہٗ وتعالیٰ ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

اگر آپ کہیں کہ بے شک کسی شے کا علم ایک طریقے سے حاصل ہو، تو اس علم سے مضائر ہوگا جو دوسرے طریقے سے حاصل ہو، یہ علمائے کثیر کا قولِ مختار ہے۔ پھر اس طرح جائز ہے کہ اس کی ''ذاتِ مشخصہ'' کو کسی طریقے سے جانا جائے جیسا کہ واجب بالذات اور معبود بالحق۔ وہ لفظ اللہ ذاتِ معلومہ کے لئے اس لئے مقرر فرماتا ہے کہ یہ لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اِس جگہ خصوصیتِ ذات کی وجہ سے علماً ضروری ہے کہ وہ لفظ مانعِ شرک ہو، ورنہ کسی چیز کا عام علم اور کلی مفہومِ اس مطلب کے لئے کفایت نہیں کرتا۔ یہاں تامل ضروری ہے کہ یہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ واللہ المستعان۔

### لفظِ جلالت میں لطائفِ عجیبہ:

بعض محققین نے لفظِ اللہ کے لطائف میں فرمایا اگر اس کا تلفظ ہمزہ کے ساتھ

نہ ہو، یعنی للہ ہو، (تو بھی با معنیٰ ہے) لِلّٰہِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ، اللہ کے لئے ہیں زمینوں آسمانوں کے لشکر، اگر لام باقیہ کو چھوڑ دیا جائے تو باقی ''ہائے مضمومہ'' ہوگی جو ھُوَ سے ہے، (تو بھی با معنیٰ ہے) لَا اِلٰـہ اِلَّا ھُوَ، اس میں واو زائدہ ہے، اس کی سقوط میں ھـما اور ھُم رہ جاتے ہیں، اس میں تامل ہے جیسا کہ عربی میں ادنیٰ درایت رکھنے والے پر بھی پوشیدہ نہیں۔ اب رہا معنیٰ کے حساب سے تو آپ اس کو لفظ ''اللہ'' کے ساتھ پکاریں گے تو ایسے ہے جیسے آپ نے اسے تمام صفات کے ساتھ پکارا۔ بخلاف دوسرے تمام اسماء کے۔ لہٰذا فقط اسی لفظ سے کلمہ کی شہادت زیادہ درست ہے۔

## وحدانیت کی دلیل:

اس ذاتِ سبحانہٗ کے واحِد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر دو قدرت والے خدا ہوتے تو مقدورات کی نسبت دونوں کی طرف یکساں ہوتی۔ کیونکہ علتِ قدرت اور علتِ مقدوریت دونوں میں پائی جاتی۔ پس اس سے لازم ہوا کہ وہ مقدورِ معین دونوں کی قدرت سے ہوتا اور یہ محال ہے۔ کیونکہ مقدورِ واحد پر دو مستقل قدرتوں کا وارد ہونا ممکن نہیں، اور دونوں میں سے ایک ایسا کرے تو بھی محال ہے، کہ اس سے ترجیح بامرجع لازم آتی ہے۔ پس حاصل ہوا کہ متعدد خداؤں کو تسلیم کرنے سے ممکنات کی کسی چیز کا وجود صحیح نہیں رہتا۔ کیونکہ مذکورہ دونوں محالات میں سے ایک محال کو اختیار کرنا ہوگا، اور محال کا التزام بھی محال ہوتا ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ اس پر یہ برہانِ حق دلیل کافی ہے۔ لوکان فیھـما الھۃ الا اللہ نفسدتا، اگر زمین و آسماں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو فساد برپا ہوتا۔ اس مطلب کے اثبات کے لئے یہ دلیل مشہور ہے جو بیان سے بے نیاز ہے۔

حکماء نے کہا ہے کہ اگر واجب الوجود دو ہوتے تو ان کے نزدیک ثابت ہو

سکتا ہے کہ وجوب کے نفسِ ماہیت میں تمایز ہے۔اس سے ان کا مرکب ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ کیونکہ مرکب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی واجب الوجود نہ ہو، ترکیب، وجوب کے منافی ہے، جبکہ فرض اس کے خلاف کیا تھا۔شرح مواقف میں درج ہے کہ اس مسئلہ میں وثنیہ اور ثنویہ کے علاوہ کوئی مخالف میں، وہ دو الہوں کے وجود کو واجی نہیں کہتے، اور نہ بتوں کو صفاتِ الٰہیہ سے متصف کرتے ہیں۔اگرچہ ان پر ''اسم الہٰ'' کا اطلاق کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے نبیوں، زاہدوں، فرشتوں اور ستاروں کی تماثیل تراش لیں اور عبادت کی غرض سے ان کی تعظیم میں مشغول ہو گئے۔ تاکہ اُن تماثیل کے ذریعے وہ معبودِ حقیقی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

## کلمہ طیبہ کے فضائل:

اور لیجئے اب اس کلمہ شریفہ کے فضائل جن میں سے بخاری و مسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بھی صدقِ دل سے گواہی دی لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اس پر اللہ نے آگ حرام کر دی۔

☆ بخاری و مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے نے کہا لا الٰہ الا اللّٰہ اور اسی پر فوت ہوا، وہ جنت میں داخل ہوا۔ میں نے عرض کیا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے، میں نے عرض کیا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے، میں نے عرض کیا، اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا ابوذر کی ناک خاک آلود ہو اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے،

وہ عطا پر عطا ہی کرتے ہیں
گو خطا پر خطا کرے کوئی (مترجم)

☆ مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس نے گواہی دی لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ، اللہ نے اس پر آگ کو حرام کر دیا۔

☆ مسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فوت ہوا اور جانتا تھا کہ لا اِلہ الا اللہ وہ جنت میں داخل ہوا۔

☆ احمد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی چابیاں یہ شہادت ہے کہ لا اِلہ الا اللہ

☆ ترمذی اور ابنِ ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل ذکر لا اِلہ الا اللہ ہے اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔

☆ شرح السنہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے عرض کی مولا مجھے ایسی چیز سکھا جس کے ساتھ تیرا ذکر کروں اور جس کے ساتھ تیرے حضور دعا کروں۔ فرمایا اے موسیٰ، لا اِلہ الا اللہ کہا کر، عرض کیا مولا یہ تو ہر بندہ کہتا ہے۔ میں کوئی مخصوص چیز چاہتا ہوں، فرمایا اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور ان میں میرے سوا تمام بسنے والے اور ساتوں زمینیں ایک طرف ہوں اور لا الہ الا اللہ ایک طرف تو لا اِلہ الا اللہ والا پلڑا وزنی رہے گا۔

☆ مفسرین نے قولِ سبحانہٗ اِلیہ یصعد الکلم الطیب کے بارے میں کہا ہے، کہ اس سے مراد کلمات توحید لا اِلہ الا اللّٰہ ہیں اور وہ لا یتکلمون الّا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا کے ضمن میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد درست قول ہے اور وہ ہے شفاعت کرنے والا قول لا الہ الا اللّٰہ۔ جو دنیا میں کہا تھا۔

## عوام کی توحید اور خواص کی توحید:

جان لو کہ اہل اسلام میں عوام کی توحید یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کا انکار کیا جائے کہ واجب لذاتہٖ وہی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ اِسی پر نجاتِ اخروی اور سعادتِ ابدی کا مدار ہے۔ اور ظاہر میں تمام انبیاء کرام نے یہی تبلیغ فرمائی۔ اور صوفیہ جو کہ اللہ والے، کشف والے، مشکوٰۃِ نبوت سے اقتباس کرنے والے، جو زمین کے اوتاد ہیں۔ جن کی برکات سے اہل زمین کی طرف رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور جن کے صدقے ان کو بارش دی جاتی ہے۔ رزق دیا جاتا ہے۔ جو وہ قوم ہیں جن کا ساتھی کبھی شقی نہیں ہوتا ان کی توحید اس سے عبارت ہے کہ وجود میں اس کے شریک کی نفی کی جائے، کہ ان کے نزدیک اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔ وہ مطلق تھا، اور اس کے ساتھ کوئی کون وقید نہیں تھی۔ اور وہ اب بھی مطلق ہے۔ اور جس کو عالم، غیر و ماسوا یا مقید کہا جاتا ہے، وہ محض دکھاوا ہے، انتقاش ہے، جیسا کہ عارف نے کہا

دوئی را نیست رہ در حضرت تو
ہمہ عالم توئی و قدرتِ تو

حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے النصوص میں فرمایا کہ وجودِ واحد میں بڑے شبہات و حجابات اور تعدداتِ واقعہ وہی ہیں جن کو اعیانِ ثابتہ کے آثار کہتے

ہیں۔ان سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اعیانِ ثابتہ بھی وجود میں بالوجود ظاہر ہیں جو آثار اس میں ظاہر ہوئے تو وہ ظاہر نہیں ہوئے اور کبھی نہیں ہو سکتے کہ ان کی ذات میں ظہور کا حوصلہ نہیں۔

ہمارے شیخ والد گرامی قدس سرہٗ نے رسالہ کنز الحقائق میں فرمایا کہ یہ قید عالم محض دکھاوا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی ہے جس نے ہر چیز کو ٹھہرایا ہے۔لہٰذا یہ موجودِ حقیقی کے نمائندہ کا حکم رکھتا ہے۔اور اس پر دنیوی و اخروی احکام کا ترتب ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت سے منطوق ہے۔پس یہ ابدی بن گیا ہے کہ کسی کے زوال دینے سے زوال پذیر نہ ہوگا ماسوا اُس کے جس نے اسے اثرِ بقا دیا ہے۔اسی لئے اس کو مراتبِ وجود عطا کئے۔اور ہرگز یہ قید عالم نفس الامر میں موجودِ حقیقی نہیں، بلکہ معدومِ محض ہے۔**الاعیان ماشمت رائحة الوجود**،اعیان نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی،اور موجود حقیقی اللہ واحد قہار کے سوا کوئی نہیں۔اس لئے وجود مرتبتِ تنزل سے موسوم ہے۔اللہ سبحانہٗ کے لئے نہ تنزل ہے نہ ترقی۔وہ تو ہر قید سے پاک ہے۔حتیٰ کہ اطلاق کی قید سے بھی۔مطلق الوجود، مراتبِ احکام کے لئے جامع ہے۔لیکن ہر مرتبہ کے لئے احکام مختص ہیں جن سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا، جو ان کی حفاظت نہیں کرتا، زندیق ہے،لہٰذا اس نے ان کے بیان وحفاظت کے لئے کتابوں کو نازل فرمایا اور رسولوں کو ارسال کیا۔اس مطلب شریف کے ادراک کے لئے صوفیہ کرام کے پاس وجدانِ صحیح اور مکاشفاتِ حقانی کی شان ہے۔انہوں نے فرمایا کہ ہمارے لئے کشف وعیان سے ظاہر ہوا کہ اللہ سبحانہٗ کا وجود عینِ ذات ہے اور اس کے سوا حقیقۃً کوئی موجود نہیں اور تمام اشیاء شیون واعتباراتِ سے اس کی ذات کے ساتھ لاحق ہیں، حقیقی وجود اس سبحانہٗ کا ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے۔وجود اور موجود ایک ساتھ ہیں۔**لان معنی الموجود ما**

قــام بــہ الوجود ، کہ موجود کا معنی ہے جو وجود کے ساتھ قائم ہو، یہ برابر ہے کہ یہ قیام صفت بالموصوف کی قبیل سے ہو یا شے کا قیام بنفسہٖ ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقۃً وجود وہی ہے جو اپنی ذات کے ساتھ قائم ہو نہ کہ جو غیر کے وصف سے قائم ہو۔ پس مناسب نہیں کہ اس کا غیر اصلاً موجود ہو۔ لہٰذا مرتبۂ وجود میں نہج کمال پر ممکن اور واجب میں تفاوت اور تباعد ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ذات سبحانہٗ عین وجودہ ہے اور ذاتِ ممکن عین وجودہ نہیں، وہ اپنے وجود سے متصف اور اپنے وجود کے لئے معروض نہیں۔ بلکہ ممکن تو وجود کیساتھ نسبتِ حاصلہ کے سبب نظر آتا ہے۔ گویا وجودِ ممکنات کا موجود ہونا اس نسبتِ خاص سے عبارت ہے جو اُسے اُس قائم بالذات وجود سے ہے۔ ہاں یہ نہیں ہوسکتا اس کا وجود ان ممکنات سے قائم ہو۔ مثلاً لوہار اس شخص کو کہتے ہیں کہ لوہا جس کی صنعت کا مصنوع ہو۔ اس کو لوہے سے نسبت خاص ہو، نہ کہ لوہا اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ یا شمس کی طرح کہ اس پانی کو کہتے ہیں جس نے سورج کے ساتھ نسبت خاص حاصل کی اور اس کے محاذات سے وہ تپش لیتا ہے۔ پس عالم مرتبہ وجود میں مرتبہ وجود الحق سے بہت ہی نیچے ہے، تراب کا رب الارباب سے کیا مقابلہ، مطلق بے نیازی اور کمالاتِ صوری و معنوی حق سبحانہٗ کے لئے ثابت ہیں۔ وہی عینِ وجود اور اصلِ کمالات ہے۔

ولــو وجهها مــن وجهها قمرٌ

ولــعينها من عينها كحلٌ

چاند اُس کے رخِ روشن سے روشن ہے اور آنکھ اسی کی آنکھ سے سرگیں ہے۔

مخلوق میں ذاتی طور پر ذلت اور احتیاج ہے کہ حقیقت میں اُس کا وجود و نمود نہیں۔ بلکہ وہ تو وجودِ حق سبحانہٗ کا عکس ہے۔ جو اعیان کے شیشوں میں اور اس کی جلوہ

گاہوں میں ظاہر ہوا، وہ ان کے اعدام پر باقی ہے۔ جیسے پانی، برتن کے رنگ کے ظہور کے سامنے، اس میں عدمِ رنگ پر بقا ہے۔ وہ اس کے غیر کا رنگ ہے، اس کا اپنا کوئی رنگ نہیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا، فرمایا لونُ الماء لون اناۤءِہٖ، پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے۔ یعنی بے شک وجود اور کمالات جو اعیان میں ظاہر ہوئے، وہ نہیں مگر حق کے لئے، اور اصلاً اعیان نے تو وجود کی بو تک نہیں سونگھی۔ پس عالم ان اعیان سے عبارت ہے جو حق سبحانہٗ کی تجلی کا واسطہ تصور کی جاتی ہیں۔ جن میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، سو تمام نظامِ عالم اس وجودِ ظاہر اور اس اعدام کے ساتھ ہے۔ کما قال العراقی

روز و شب باہم آشتی کردند
کار عالم ازاں گرفت نظام

دِن رات میں جو باہم ربط ہے اس سے کارِ عالم کا نظام قائم ہے۔ یعنی وجود و عدم کے اختلاط کے واسطہ اور امتزاج سے نظامِ ہستی ہے۔ شیخ العارف عبدالقدوس حنفی علیہ الرحمتہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں ''حقیقت میں ہستیِ مطلق حق سبحانہٗ ہے، مگر حجاب والوں کی آنکھ میں لباسِ کونی نے خاک ڈال دی ہے۔ اور ان کو دور اور مہجور کر دیا ہے'' گویا اب سبحانہٗ کا اعیان ثابتہ کی صفات کے ساتھ ظہور اور عارضی احکام کے ساتھ اِنصباغ ہی حجاب والوں کے ادراک کے احتجاب کا سبب ہوا اور نہ حق سبحانہٗ کے سوا ظاہر، مرئی اور مشہود کوئی نہیں،

شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ''ان صوفیہ میں سے کسی نے کہا ''الحق محسوس والخلق معقول'' حق تعالیٰ محسوس ہے اور خلق معقول ہے۔ وہ سبحان ہے، کہ شدتِ ظہور سے پوشیدہ ہوا، غیایت قرب سے دور ہوا، اور ادراک کا ادراک بھی مفقود

ہے اس لئے نہ پہچانا گیا، اس کا یہ معنی نہیں کہ معمولی ادراک بھی نہ ہو، وہ تو ہر فرد کو ہے، اور اُن سے اُس کا اصلاً عدمِ انفکاک ہے۔ پس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور تکالیفِ شاقہ اس ادراک الادراک کی تحصیل کے لئے ہیں۔

## فلاسفہ کا مذہب:

یاد رہے کہ حکما، ان صوفیہ کے ساتھ اس میں موافق ہیں کہ وُجود الحق سبحانہ 'عینِ ذاتِ حق سبحانہٗ' کا وجود عینِ ذات ہے، اور وجودِ غیر، اس قائم وواجب بالذات کے وجود کی نسبتِ خاص سے عبارت ہے۔ یہ نہیں کہ وجود اس کا وصف ہو اور اس سے قائم ہو، جیسا کہ لوہار اور شمش کی مثالیں دی گئیں۔ فلاسفہ نے واجب تعالیٰ کے وجود کے عینِ ذات ہونے پر دو وجہوں سے استدلال کیا ہے۔

پہلی وجہ: اگر اس کا وجود اس کی ذات پر زائد ہوتو اسے اتصافِ وجود کے لئے کسی علت کی احتیاج ہوگی، اگر اتصاف کے لئے علت ہو اگر چہ اس کی ذات ہوتو اتصافِ ذات کا وُجود سے تقدم لازم آئے گا، اور اتصاف بالوجود میں اس کی تاثیر ہوگی، کہ یہ ضرورتِ عقل کا محاکمہ ہے بان الایجاد فرع الوجود، ایجاد، وجود کی فرع ہے۔ اور اگر وجود سابق ہو اور عینِ وجود لاحق ہوتو اپنے نفس پر شے کا تقدم لازم آئے گا۔ اگر لاحق ہونے والا اغیر ہوتو ہم اس غیر سے اس کے اتصاف پر کلام کریں گے۔ جہاں تک کہ وجود میں تسلسل لازم آئے گا، پس انتہا اس وجود پر ہوگی جو عینِ ذات ہے۔ لیکن شے واحد کے وجود میں تعدد کا ہونا محال ہے۔ جیسا کہ فطرت سلیم بھی اس پر گواہ ہے۔

دوسری وجہ: جو چیز وجود میں آتی ہے، تو وُجود اس کی ذات کی طرف دیکھنے سے مسلوب عنہ ہے یعنی پوشیدہ ہے یہ بات جمہور میں مشہور ہے۔ اس کی ماہیت ایک ہی جیسی ہوتی ہے، اُمورِ عارضہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے وجود کا ثبوت اس کی ذات سے

نہیں ہوا جیسا کہ گزرا اَلْاِیْجَادُ فَرْعُ الْوُجُود، پس یہ صحیح نہیں کہ ذات جیسی کہ وہ ہے، بغیر شرطِ وجود کے موجد ہو، یہ ایک ہی بات ہے کہ وہ اپنے آپ کی موجد ہے یا اپنے غیر کی موجد۔ لہٰذا یہی ہے کہ واجب تعالیٰ کی حقیقت ایک وجودِ متأکد (ضروری) ہے، جو اپنی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ اس کا وجود ہونا اور موجود ہونا ایک ساتھ ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا۔

## کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ:

محمد اللہ کے رسول ہیں، اولادِ آدم کے سردار ہیں، قیامت کے دن آپ کی اتباع کرنے والے دوسرے نبیوں کے تابع داروں سے زیادہ ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ اولین و آخرین سے افضل ہیں۔ سب سے پہلے آپکا مزار انور شق ہوگا، اور پہلے شفاعت کریں، آپ کی شفاعت پہلے قبول ہوگی۔ آپ سب سے پہلے جنت کے دروازہ پر دستک دیں گے، آپ کے لئے اللہ اس کو کھول دے گا، قیامت کے دِن پرچمِ حمد کو اٹھائیں گے جس کے نیچے آدم اور سب انبیاء کرام ہوں گے، آپ نے فرمایا ہم آخری ہیں اور ہم قیامت کے دن پہلے ہوں گے، میرا یہ قول فخر یہ نہیں۔ میں رسولوں کا سالار ہوں، کوئی فخر نہیں، میں نبیوں کا خاتم ہوں کوئی فخر نہیں، میں لوگوں کا اول ہوں جب وہ اُٹھیں گے، میں لوگوں کا قائد ہوں جب وہ وفد بنیں گے، میں لوگوں کا خطیب ہوں جب وہ خاموش ہوں گے، میں لوگوں کا شفیع ہوں جب وہ روک دیئے جائیں گے، میں لوگوں کا مبشر ہوں جب وہ مایوس ہوں گے۔ بزرگی اور چابیاں اس دِن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ میں اپنے رب کے ہاں اولاد آدم کا بزرگ ہوں، میں گرد ہزار خادم طواف کررہے ہوں گے، جیسے سفید انڈے یا بکھرے موتی۔ جب روزِ قیامت ہوگا میں نبیوں کا امام، خطیب، اور ان کی شفاعت والا ہوں گا، اس پر کوئی فخر نہیں، اگر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کو ظاہر کرتا اور وہ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

## نبوت کی دلیل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے لئے جمہور کے نزدیک یہ دلیل معول ہے کہ حضور نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور ان کے ہاتھ معجزات کا ظہور ہوا۔ جو یہ خصوصیت رکھتا ہو وہ نبی ہے۔ اور آپ کا دعویِ نبوت کرنا تواتر سے ثابت ہے، اور ایسے ہی آپ سے صدورِ معجزات اور قرآنِ پاک بھی آپ کا معجزہ ہے۔ قرآنِ پاک اس لئے معجزہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابلہ کی دعوت دی، اور عرب کے فصحا و بلغا کو کہا کہ اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ۔ وہ کثیر التعداد تھے اور غایتِ عصبیت اور حمیت و جہالیت کے باوجود بھی اس جیسی ایک چھوٹی سورت بنانے سے بھی عاجز آ گئے۔ جہاں تک کہ انہوں نے قلمی معارضت کی بجائے سیفی مقارعت کو ترجیح دی۔ اگر وہ قلمی مقابلہ کر سکتے تو ضرور کرتے اور اگر کرتے تو ہم تک تواتر سے منقول ہوتا۔ اس کو نقل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ جیسا کہ خطیب منبر پر بیان کرتا ہے۔ اور اس طریقے سے ضرورتِ عادیہ کے مطابق علم حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ حس کی طرح عادت بھی حصولِ علم کا طریقہ ہے۔

جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے۔ اور معجزے ظاہر کرے وہ نبی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کی کہ مخلوق میں مدعی نبوت کی سچائی کا علم پیدا کیا جب اس کے ہاتھ پر معجزے کا ظہور ہو۔ کیونکہ کاذب کے ہاتھ پر معجزے کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں نبی ہوں، پھر پہاڑ کو اٹھا کر لوگوں کے سروں پر کھڑا کر دے، اور کہے اگر تم مجھے جھٹلاؤ تو یہ تم پر گر پڑے گا، اگر میری تصدیق کرو گے تو یہ تم سے ہٹ جائے گا، پھر

جب وہ تصدیق کرنا چاہیں گے تو ان سے ہٹ جائے اور جب تکذیب کرنا چاہیں تو ان کے قریب آ جائے۔ اِس سے ضروری علم حاصل ہو گا کہ وہ صادق ہے۔ اور عادت بھی یہی فیصلہ دیتی ہے کہ کاذب یہ کام نہیں کر سکتا۔

لوگوں نے یہ مثال بھی دی ہے جب کوئی آدمی بادشاہ کے دربار میں ہجومِ غفیر کے سامنے کہے کہ وہ اس بادشاہ کا تمہاری طرف رسول ہے، وہ دلیل مانگیں تو کہے کہ اگر بادشاہ اپنی عادت کے خلاف اٹھ کر ایسے مقام پر جا بیٹھے جہاں بیٹھنے کی اسے عادت نہیں، تو یہ اس کی تصدیق ہو گی۔ اور اس کی سچائی کے علمِ ضروری کے لئے فائدہ مند ہو گی۔ اس مثال کا یہ مطلب نہیں کہ غائب کو موجود پر قیاس کر لیا ہے، ہمارا تو دعویٰ یہ ہے کہ بے شک ظہورِ معجزہ، علمِ ضروری کو سچائی کے ساتھ مفید ہے۔ اور اس کا علم اس کے لئے مفید ہے، ضرورتِ عادی کے ساتھ معلوم ہے۔ یہ مثال تفہیم کے لئے اور زیادتِ تقریر کے لئے ہے، اِس پر جو سوالات وارد ہوئے اور ان کے جوابات، کتابوں میں مذکور ہیں، ہم نے اپنے رسالہ اثباۃ النبوۃ میں بھی اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے۔

اس کے سوا جو معجزات ہیں وہ اپنی تفاصیل کے ساتھ متواتر نہیں لیکن ان میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ ان کا ثبوت معجزہ متواتر ہے۔ بلاشبہ جیسا کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت۔ وہ ہمیں اثباتِ مطلب کے لئے کافی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے استدلال ہو سکتا ہے خواہ وہ اعلانِ نبوت سے پہلے کے ہوں یا، اعلان کے وقت یا اس کے بعد، آپ کے اخلاقِ کریمہ احکامِ حلیمہ، اور سخت حالات میں اقدام اور مہماتِ دینی و دینوی میں جھوٹ کا قطعاً صادر نہ ہونا۔ اگر ایک مرتبہ بھی جھوٹ صادر ہو جاتا تو آپ کے دشمن اس کو خوب پھیلاتے، آپ کا اعلان نبوت سے پہلے اور بعد میں کبھی کسی فعلِ قبیح کی طرف قدم نہ اٹھانا، اُمی ہونے کے

باوجود کمالِ فصاحت کا اظہار کرنا، تبلیغ رسالت میں مختلف مشقتوں کا برداشت کرنا حتیٰ کہ فرمایا کسی نبی کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جتنی مجھے، اور عزیمت میں کوئی لغزش نہ آنا، پھر جب دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا اور ان کی جانوں اور مالوں میں حکم نافذ کرنے کا رتبہ ملا تو بھی پہلی حالت میں تبدیلی نہ آنا بلکہ آپ شروع سے آخر تک ایک ہی طریقہ مرضیہ پر گامزن رہے۔ امت پر حد درجہ شفقت فرمانا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا فلا تذھب نفسک علیھم حسراتِ محبوب! ان کی پریشانیوں یں تمہاری جان نہ چلی جائے اور آپ کا انتہائی سخی ہونا کہ آپ کو یوں فرمایا گیا وَ لا تبسطھا کل البسط، ان ہاتھوں کو اِس طرح نہ کھول دو، اور دنیوی زیبائشوں کی طرف عدم التفات، فقرا و مساکین کے ساتھ غایتِ تواضع، اغنیا کے ساتھ غایتِ ترفع، دشمنوں کے مقابلہ میں استقلال اور ہرگز خوفزدہ نہ ہونا۔ جیسا کہ یوم اُحد و احزاب کے موقع پر دیکھا گیا۔ یہ آپ کی قوتِ قلبی اور اولوالعزمی کی دلیل ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہوتا اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی عصمت پر یقین نہ ہوتا۔ جیسا کہ اس نے آپ سے وعدہ فرمایا و اللہ یعصمک من الناس، اور اللہ آپ کو لوگوں بچاتا ہے، یہ بطور عادت نہ ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں تلوین نہیں جبکہ دوسروں کے حال میں تلوین آ گئی۔ یہ تمام امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضور نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں۔ یہ کسی منصف مزاج عقلمند سے پوشیدہ نہیں۔

ربنا اٰتنا مِن لَدُ لک رحمته وھیّ لنامِن امرنا رُشدا

یہ رسالہ اختتام کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تعریف ہے اول و آخر اور اُسی کے لئے حکم اور تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

☆☆☆☆☆

شعورِ دنیا و عقبیٰ، فروغِ فکر و نظر
مِرے رسُول کی چوکھٹ سے کیا نہیں مِلتا
مِرے کریم بچالے مجھے خُدا کے لیے
ترے کرم کے سِوا آسرا نہیں مِلتا